ذکر ولادت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے

تحریر : علامہ شیخ محمود عطار دمشقی رحمہ اللہ تعالی

ترجمہ : علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری

رضا اکیڈمی لاہور

ذکر ولادتِ خیر الانام ﷺ

کے وقت

کھڑے ہونا مستحب ہے

تحریر: علامہ شیخ محمود عطار دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ: علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری

رضا اکیڈمی ⬭ لاہور

سلسلہ اشاعت نمبر 172 177

نام کتاب ---- ذکرولادت خیر الانام ﷺ کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے

تحریر ---- علامہ شیخ محمود عطار دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ ---- علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری

کمپوزنگ ---- الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ، فون: 7225944

صفحات ---- ۶۴

ناشر ---- رضا اکیڈمی، لاہور۔

ہدیہ ---- دعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈمی رجسٹرڈ، لاہور

عطیات بھیجنے کے لیے

رضا اکیڈمی اکاؤنٹ نمبر ۹۳۸/۳۸، حبیب بنک وسن پورہ برانچ، لاہور

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے حضرات 15 روپے کے ٹکٹ ارسال کریں

ملنے کا پتہ:

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)

مسجد رضا محبوب روڈ، چاہ میراں، لاہور، پاکستان کوڈ نمبر ۵۴۹۰۰

فون نمبر 7650440

فہرست

حالات مصنف

الشیخ محمود بن محمد رشید عطار دمشقی حنفی دین کے امام، عالم اور اپنے علم پر عمل پیرا عبادت گذار، زاہد، حنفی فقہ اور اصول کے ماہر تھے-(1)

۱۲۸۴ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے، اپنے والد گرامی سے قرآن پاک حفظ کیا، پھر اپنے عہد کے بڑے بڑے اصحاب علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، سب سے پہلے الشیخ محمد عطا نابلسی کے شاگرد ہوئے، پھر الشیخ سلیم عطار، الشیخ بکری عطار، اور الشیخ محمد عطار سے حدیث، تفسیر اور علوم آلیہ (صرف، نحو، منطق، بلاغت وغیرہ) کا درس لیا، اسی طرح الشیخ محمد خانی سے بھی اکتساب علم کیا-

فاضل مصنف نے فقہ، اصول فقہ، توحید، تفسیر اور حدیث کا درس شیخ عبدالحکیم افغانی سے بھی لیا، پہلی مرتبہ جب اپنے اس استاذ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو استاذ گرامی نے نو عمر طالب علم (جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں) کو پڑھانے سے معذرت کر لی، لیکن جب علم کے حریص طالب علم نے شدت سے التماس کی تو استاذ صاحب نے فرمایا: تمہیں اس شرط پر پڑھاؤں گا کہ ایک باریش طالب علم ہمیشہ تمہارے ساتھ درس حاصل کرے گا، سراپا ادب شاگرد نے اپنے استاذ کا حکم سر آنکھوں پر رکھا اور پڑھنا شروع کر دیا، استاذ صاحب اپنے اس کمسن شاگرد کو اپنی نظر سے دور بٹھاتے اور تقریباً ایک سال کے بعد اس سے پوچھا: کیا تمہاری داڑھی اتر آئی ہے؟ مثبت جواب پا کر اپنے سعادت مند شاگرد کو اپنے قریب بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس سراپا شوق طالب علم نے تیس سال اپنے استاذ گرامی سے علمی استفادہ کیا، اور بالآخر ان کے خصوصی شاگردوں میں شمار ہوئے-

الشیخ محمود عطار نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تقریباً چالیس سال تک دارالحدیث الاشرفیہ میں علم حدیث کے استاذ الشیخ بدرالدین حسنی کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے حدیث، اصول حدیث، بلاغت، نحو اور منطق کا درس لیا، یوں اپنے استاذ گرامی الشیخ بدرالدین حسنی کے اجل اور فاضل ترین شاگردوں میں شمار ہوئے، اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے-

---

(1) فاضل مصنف کے حالات کچھ کمی بیشی کے ساتھ "تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر الہجری" ج ۱ ص ۵۹۶-۵۹۸ سے لیے گئے ہیں-

انہوں نے مصر کے بعض بڑے بڑے ذی علم لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کے سامنے (رسم شاگردی کے مطابق کچھ) پڑھا اور ان سے سندیں حاصل کیں، ان اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) الشیخ عبدالرحمن بحراوی
(۲) الشیخ سلیم بشری (شیخ الازہر)
(۳) الشیخ احمد ابوخطوہ
(۴) الشیخ احمد بخیت مطیعی (مفتی مصر)
(۵) الشیخ محمد اشمونی

انہیں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور ہندوستان کے علماء نے بھی اسناد عطا فرمائیں۔

ان کا وسیع علم، سخت جانفشانی، اور علوم پھیلانے میں ناپسندیدہ چیزوں کو برداشت کرنا مشہور و معروف ہے۔

اپنے محدث استاذ الشیخ بدرالدین کے کمرے سے متصل ایک کمرے میں عرصہ دراز تک قیام کیا، اور ان کے دارالحدیث میں درس حدیث دیا۔

پھر اردن کے کرک نامی علاقے کے محلہ طفیلیہ میں مفتی مقرر ہوئے، پھر جدہ کے مدرسۃ الفلاح میں انکی تقرری ہوئی، پھر ہندوستان کے شہر بمبئی میں اپنے بھتیجے الشیخ امین سعید کے ساتھ بحیثیت مدرس مقرر ہوئے، پھر دمشق میں ثانویہ شرعیہ (پاکستان کے میٹرک اور ایف اے کے مساوی کورس) کے مدرس مقرر ہوئے۔

جامع مسجد اُموی میں بھی بحیثیت مدرس تعیناتی ہوئی، جہاں ہر روز نماز ظہر کے بعد تشریف فرما ہوتے اور مسائل پوچھنے والوں کو شرعی احکام بتاتے۔

ایک مرتبہ ان کے حلقۂ درس میں ترکی حکومت کا ایک نمائندہ حاضر ہوا تو ان کے علم و فضل سے متاثر ہوکر سلطان کو آپ کی علمی وجاہت سے آگاہ کیا، سلطان نے حضرت کو تعریفی سرٹیفکیٹ ارسال کیا۔

ان کا ایک حلقۂ درس کفرسوسیۃ (کاف پر زبر)(1) نامی جگہ بھی ہوا کرتا تھا، جہاں

(1) یہ ان دنوں کی بات ہے جب کفرسوسیۃ دمشق سے سات کلومیٹر دور ایک الگ علاقہ تھا، جبکہ آج کل یہ علاقہ دمشق کا حصہ بن چکا ہے۔

دمشق اور اس کے دیہاتوں سے طلبہ پیدل سفر کرکے اکتساب علم کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔

آپ نے دمشق کے جنوب میں واقع القدم (قاف پر زبر) نامی علاقے میں کافی عرصہ قیام فرمایا جہاں سے آپ نے شادی کی اور وہاں اپنی بچیوں کے بیاہ بھی کیے، جن سے آپ کے نواسے اور نواسیاں بھی ہوئے۔

آپ نے القدم کے علاقے میں ایک حلقہ درس قائم کیا جسے مجلس الخمیس کا نام دیا گیا جہاں آپ نے کثیر شاگردوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیا، یہ علمی مجلس تقریبا نو بجے شروع ہوتی جس میں عمائدین شہر اور علماء کرام بصد شوق حاضر ہوتے، اس علمی مجلس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوتا، پھر بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس ہوتا، جس میں حدیث کی سند اور شرح بیان فرماتے، خصوصی طور پر امام قسطلانی اور امام نووی کی شرح پر گفتگو ہوتی، اور مجلس کا اختتام سورۂ یٰسین کی اجتماعی تلاوت کے ساتھ ہوتا(1)۔

مصنف علامہ پوری زندگی تدریس سے وابستہ رہے، حتی کہ بیماری میں بھی پڑھانا ترک نہیں کیا، درس و تدریس کا عمل اپنی وفات سے فقط ایک ہفتہ پہلے چھوڑا۔

بہت سے شاگردوں نے آپ سے اکتساب علم کیا اور دمشق کے معزز مشہور بنے، چند تلامذہ کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) الشیخ ابوالخیر میدانی
(۲) الشیخ ابراہیم غلاینی
(۳) الشیخ عبدالوہاب دبس وزیت
(۴) الشیخ محمد سعید البرہانی
(۵) الشیخ تاج الدین حسنی (جو بچپن سے آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے بطویل عرصہ اکتساب فیض کیا- لا کالج دمشق میں لیکچرار مقرر ہوئے)
(۶) الشیخ المحدث العلامۃ عبدالفتاح ابوغدہ (جنہیں آپ نے اپنی سند عطا فرمائی)

(1) پاکستان میں سورت یٰسین کی باآواز بلند اجتماعی تلاوت متعارف نہیں لیکن عربوں میں یہ طریقہ معروف ہے، راقم الحروف کو مصر میں بغرض تعلیم چار سالہ قیام کے دوران سورت یٰسین شریف کی اجتماعی تلاوت کے نظارے سیدنا الحسین، مسجد سیدہ زینب، مسجد سیدہ نفیسہ میں بارہا نصیب ہوئے، یہ ایمان افروز نظارے آج بھی روح کو ذوق و شوق سے آشنا کرتے ہیں-۱۲ ممتاز احمد سدیدی

القدم نامی علاقہ کے درج ذیل افراد آپکے خاص شاگردوں میں سے ہیں:

(۱) عبدالقادر برکہ

(۲) عبدالجواد خضیر

(۳) حسن زکریا

(۴) محمد علی حامدہ

ان کی تالیفات سامنے نہیں آئیں، صرف ایک کتاب علم میں آئی ہے جس میں اپنے استاذ الشیخ المحدث بدرالدین حسنی (1) کے حالات درج ہیں، اس کے علاوہ یہ کتاب ہے جو قارئین کے ہاتھوں میں ہے، الشیخ محمود العطار نے الشیخ عبدالحکیم الافغانی کی کتاب ''کشاف الحقائق شرح کنز الدقائق'' کی طباعت اپنی نگرانی میں اپنے استاذ گرامی کی زندگی میں کروادی تھی، الشیخ محمود عطار اس کتاب کے بارے میں گہری معلومات رکھتے تھے، علاوہ ازیں قدیم مخطوطات کے بارے میں بھی تجربہ رکھتے تھے۔

الشیخ محمود عطار ۲۰ شوال ۱۳۶۲ھ کو ستاسی سال کی عمر میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنی پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گزاری، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں اپنی رضا عطا فرمائے۔

آپ کو ''الباب الصغیر'' کے قبرستان میں کثیر تعداد کی موجودگی میں دفن کیا گیا، اور آپ کے مرثیے بڑے بلیغ انداز میں کہے گئے، ان سب میں سے خوبصورت بات الاستاذ احمد مظہر نے کہی، اسی طرح الشیخ محمد بہجت بیطار نے کہی، انہوں نے اپنی گفتگو میں کہا: اے شیخ محمود اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، دمشق کے علماء آپ کے شاگرد ہیں یا آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

---

(1) یہ مخطوطہ رسالہ دمشق کی لائبریری ''المکتبة الظاهرية'' میں محفوظ ہے۔

ذکر ولادت خیر الانام ﷺ

کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ،والصلوۃ والسلام علی أشرف خلقه أجمعین وبعد:

راقم الحروف مدینہ منورہ سے موصول ہونے والے استفتاء پر مطلع ہوا جسے سید احمد علی ہندی رامپوری نے اپنے دستخط کے ساتھ ارسال کیا، ان کے سوال کی عبارت درج ذیل ہے:

مسلمانوں کے علماء (اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین کی تائید فرمائے اور انہیں ملحدین کی طرف سے اٹھائے گئے شبہات کے ازالے کی توفیق عطا فرمائے) کا ایسے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ جس سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی ولادت مبارکہ کے ذکر کے وقت کھڑے ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے درج ذیل جواب دیا:

''یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی، اس کی تعظیم کو قیام ہے، تو یہ بھی محض حماقت ہے، کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریف ہونا چاہیے، اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے؟ پس ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے، سانگ کنھیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں، یا مثل روافض کے نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں، معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا، اور خود یہ حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام وفسق ہے، بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے، وہ تاریخ مقرر کرتے ہیں، ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں، جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے، بلکہ یہ شرع میں حرام ہے۔''

کیا یہ جواب درست ہے؟ ہمیں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں:

''یہ جواب کئی وجہ سے غلط ہے معترضین کے لئے تعظیماً کھڑے ہونے کا حکم بیان کرنے کے لیے ہمیں تفصیل سے بات کرنا ہوگی، اور اس سے حضور ﷺ کی ولادت کا تذکرہ سن کر کھڑے ہونے کا مستحب ہونا بہتر طریقے سے معلوم ہو جائے گا، کیونکہ ذکر ولادت

خیرالانام ﷺ کے وقت کھڑے ہونے کا باعث اشرف الرسل ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور آپ کی محبت ہے۔[۱]

ہم کہتے ہیں: علماء کے علم کی تعظیم اور احترام کے لئے کھڑے ہونا مسنون ہے، ہمارے اس دعوے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ یوں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے سردار کے لئے (احتراما) اٹھو۔[۱] اس جگہ نبی کریم ﷺ کا اشارہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تھا جو صحابہ کرام کی طرف آ رہے تھے اور معزز ہونے کے باعث قابل تعظیم بھی ٹھہرے۔

امام نووی فرماتے ہیں: کسی آنے والے صاحب فضیلت آدمی کے لئے اٹھنا مستحب ہے، اور یہ بات احادیث سے ثابت ہے اور اس سے روکنے والی کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں ہے۔[۲]

الجامع الصغیر کے شارحین کہتے ہیں: حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء کیلئے احتراما اٹھنا سنت ہے خود پسندی اور ریاکاری کے لئے نہیں، جبکہ امراء کے لئے لوگوں کا اٹھنا خوشامد کی نیت سے ہوتا ہے، حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بعض صحابہ جیسے حضرت عکرمہ اور حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اٹھے، اور جب حسان بن ثابت آپ ﷺ کے لئے احتراما اٹھے تو انہیں منع نہیں فرمایا، حضرت سعد کے لئے اٹھنے کا حکم زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ تعظیم کے لئے تھا، انہیں بیماری کی وجہ سے سواری سے اتارنے کے لئے نہیں تھا،[۳] اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بعض کو حکم دیا جاتا سب کو نہیں۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت معاویہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کرے"[۴] یہ حدیث (ذی علم وعمل لوگوں کے لئے) قیام کے مستحب ہونے کے منافی نہیں کیونکہ امام طبری

---

[۱] ابوداؤد سجستانی، امام: سنن ابی داؤد باب القیام ۲/۳۵۲
[۲] علی بن احمد عزیزی، شیخ: السراج المنیر (المطبعۃ الازہریۃ) ۳/۹۳
[۳] علامہ حفنی: حاشیہ برسراج منیر ۳/۹۳
[۴] (ا) سنن ابوداؤد: باب الرجل یقوم للرجل ۲/۳۵۲
(ب) مسند امام احمد بن حنبل: (عن معاویۃ بن ابی سفیان) ۴/۹۱

اور دیگر شارحین حدیث نے کہا ہے کہ: اس حدیث میں نہی ایسے شخص کے لئے ہے جو تکبر کی رو سے اپنے لئے لوگوں کا کھڑے ہونا پسند کرے، ایسے شخص کے بارے میں نہیں ہے جس کے لئے لوگ احتراما کھڑے ہوتے ہوں، امام نووی نے بھی اسی موقف کو ترجیح دی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا زیادہ صحیح اور بہتر بلکہ ایسا معنی کہ جس کے غیر کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں یہ ہے کہ شرعی احکام کے پابند مسلمان کو اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنے لئے لوگوں کے اٹھنے کی خواہش نہ کرے، اسی خواہش سے (مذکورہ بالا حدیث میں) روکا گیا ہے، ہاں اگر اس کے دل میں یہ خواہش نہ جاگی اور لوگ اس کے لئے احتراما اٹھے تو ایسے شخص پر کوئی حرج نہیں۔[۱]

صحابہ کرام سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو صحابہ کرام کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو صحابہ کرام کا اٹھنا پسند نہ تھا، یہ بات تعظیما اٹھنے کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ یہ نبی کریم ﷺ کی انکساری تھی اور آپ تو منکسر المزاجوں کے بھی سردار ہیں، نیز اپنی امت پر شفقت بھی تھی، اللہ تعالیٰ آپ کی رفعتوں میں اضافہ فرمائے، آپ تو اپنے گستاخوں کو بھی معاف فرمادیتے تھے جیسا کہ سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، آپ کو (اپنی تعظیم کے لئے) صحابہ کرام کا کھڑے ہونا اس لئے ناپسند نہیں تھا کہ یہ طرز تعظیم ممنوع ہے ورنہ آپ صحابہ کرام کو (حضرت سعد کے لئے احتراما) کھڑے ہونے کا حکم نہ دیتے، اور خود بھی (حضرت عکرمہ وغیرہ) کے لئے نہ اٹھتے۔

اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ سے روایت ہے: "عجمیوں کی طرح ایک دوسرے کے لئے تعظیما نہ اٹھو"۔[۲] اس حدیث میں ایسے اٹھنے اور کھڑے ہونے کی ممانعت ہے جس کے پیچھے تکبر کا جذبہ کارفرما ہو، کیونکہ آقا کریم نے فرمایا: جیسے عجمی کھڑے ہوتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ معززین کے لئے تعظیما کھڑے ہونا مطلوب ہے تو حضور سید عالم ﷺ کی ولادت کا ذکر سن کر حضور ﷺ کی تعظیم کے لئے قیام میں کیا قباحت ہے؟ بلکہ حضور ﷺ کے کسی امتی کے لئے احتراما کھڑے ہونے سے خود حضور ﷺ اس طرز تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں، فقہ کے چاروں مذاہب کے متعدد فقہاء، محدثین اور سیرت نگاروں نے حضور

---

[۱] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر (حدیث مذکور کی شرح میں) ۳/۲۹۲، ۲۹۳
[۲] سنن ابی داؤد: کتاب الادب باب الرجل یقوم للرجل ۲/۳۵۲

نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے (ذکر ولادت سن کر) کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیا ہے۔

قابل اعتماد امر جس کے ماسوا کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے قیام تعظیمی عوام مسلمانوں کے لئے مستحب ہی نہیں بلکہ نہایت اہم ہے، ابن حجر ہیتمی کے فتویٰ سے مغالطہ نہیں کھانا چاہیے، انہوں نے اپنے فتویٰ میں کہا ہے: کہ جب لوگ (ذکر ولادت کے وقت) تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں عوام تو بے خبر ہونے کی بنا پر معذور ہیں جبکہ خواص معذور نہیں ہیں۔[1]

ابن حجر ہیتمی کی یہ بات ان کی لغزش ہے، بلکہ خواص تو نبی ﷺ کی تعظیم کے زیادہ حق دار ہیں، مشہور عالم دین تقی الدین سبکی اور ان کے علاوہ بے شمار لوگوں نے ایسا کیا، اور آج تک مسلمان ذکر ولادت خیر البشر کے وقت اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا، اور اس عمل کا انکار کرنے اور اسے حرام قرار دینے کی جسارت صرف غالی بدعتی اور انتہا پسند ہی کرے گا۔

اگر اس کا یہ خیال ہو کہ یہ عمل قابل مذمت بدعت ہے تو ہم کہتے ہیں: ہاں یہ عمل بدعت ہے لیکن قابل تعریف بدعت ہے اور ہر بدعت قابل مذمت نہیں ہوتی، بلکہ بدعت پر پانچ حکم لگتے ہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہے، کتنی ہی بدعتیں فرض ہیں یا واجب، جیسے دینی علوم کی تدوین اور ایسے گمراہ فرقوں کے شبہات کا رد کرنا جن میں سے قیام تعظیمی کا یہ منکر بھی ہے۔

ہم جو ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو اس بارے میں حضور ﷺ کیلئے قیام تعظیمی کا منکر کیا کہتا ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کہ ذکر ولادت رسول کے وقت کھڑے ہونے میں تعظیم ہے یا نہیں؟ اگر وہ تعظیم رسول کا انکار کرتا ہے تو وہ حق کا منکر ہے اور محسوسات و مشاہدات کی دیدہ ودانستہ مخالفت کرنے والا ہے اور اس لائق نہیں کہ اسے مخاطب کیا جائے، اور اگر وہ تسلیم کرے کہ ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہونے میں تعظیم ہے لیکن حضور ﷺ کی تعظیم کو حماقت شمار کرے تو یہ بات شان رسالت میں گستاخی اور اہانت ہوگی اور جو شخص حضور ﷺ کی گستاخی کرے اس کے کافر و مرتد ہونے اور اس کے قتل کے جائز ہونے کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ تمام فقہاء نے ارتداد

[1] احمد بن حجر ہیتمی مکی، علامہ: فتاویٰ حدیثیہ (طبع مصر) ص ۵۹

کے باب میں لکھا ہے کہ علم یا علماء کا مذاق اڑانا یا ان کی توہین کرنا باعث کفر اور ارتداد ہے جب حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے کسی عالم کی توہین کفر و ارتداد کی موجب ہے تو افضل المخلوقات حضور نبی اکرم ﷺ کی توہین کا کیا حال ہوگا؟

ملا خسرو نے شرح الدرر میں فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کی یا آپ کو گالی دی اگرچہ نشہ کی حالت میں ہو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ثوری، اہل کوفہ اور امام مالک اور ان کے اصحاب کا مشہور مذہب ہے۔

خطابی نے کہا ہے: میرے علم میں نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی نے (گستاخ رسول کا) قتل واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔

ابن سحنون مالکی کہتے ہیں: علماء کا اجماع ہے کہ شاتم رسول کافر ہے اور اس کا فیصلہ قتل ہے۔[1]

درمختار میں ہے: استہزاء اور تخفیف شان کو گالی کے حکم میں شامل کرنا ضروری ہے۔[2]

امام شعرانی نے اپنی کتاب "کشف الغمة عن هذه الأمة" کے ضمن میں کتاب الردۃ (ارتداد) کے تحت لکھا ہے: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی کی بیوی نبی کریم ﷺ کو گالی دیتی تھی اور گستاخی کرتی تھی، وہ اسے منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتی، اسے ڈانٹتے تو وہ کوئی اثر قبول نہ کرتی، ایک رات یہ دریدہ دہن عورت حسب معمول گستاخی کر رہی تھی کہ نابینا صحابی نے کدال لیا اور اس نابکار عورت کے پیٹ پر رکھا، اس پر اپنا بوجھ ڈالا اور اس عورت کا خاتمہ کر دیا، جب صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا، حضور ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا: میں اس آدمی کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے رات کے وقت جو کچھ کیا سو کیا، وہ کھڑا ہو جائے، نابینا صحابی اٹھے اور لوگوں کو پھلانگتے ہوئے حضور ﷺ کے سامنے آ بیٹھے اور عرض کیا: میں ہی اس عورت کا مالک ہوں، جو آپ کے حوالے سے زبان درازی کرتی تھی اور گستاخانہ کلمات ادا کرتی، میں اسے منع کرتا لیکن وہ باز نہ آتی تھی، اس سے میرے دو

[1] ملا خسرو، علامہ: الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام، ۱/۳۰۷

[2] الدر المختار: باب المرتد (مجتبائی دہلی) ۱/۳۵۶

موتیوں جیسے بیٹے ہیں، وہ مجھ پر بہت مہربان تھی، (لیکن اس کے باوجود) کل رات جب اس نے آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تو میں نے کدال لیا اور اس کے پیٹ پر رکھ دیا، اور پھر اس پر اتنا بوجھ ڈالا کہ وہ مر گئی، تب سرکارِ دو عالم ﷺ لب کشا ہوئے اور آپ نے فرمایا: اے لوگو گواہ رہنا اس عورت کا خون ضائع گیا۔[1]

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ لوگوں میں کسی بلند مرتبہ شخص کے لئے تعظیماً کھڑے نہ ہونے سے اس شخص کی توہین محسوس ہوتی ہے، اور یوں لگتا ہے کہ اس کی پرواہ نہیں کی گئی، اسی لئے یہ طرزِ عمل کینہ اور بغض پیدا کرتا ہے جیسے کہ ہمارا رواج ہے اور اسلامی معاشرے کا رواج شریعت اسلامیہ کے لئے ایسے امور میں سے ہے، جس پر شریعت کے احکام کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی اپنے رسالہ ''آداب المفتی'' میں فرماتے ہیں: شریعت میں عرف (رواج) کا بھی اعتبار ہے، اس لئے بعض اوقات اس پر حکم کا دارومدار ہوتا ہے۔[2]

کتنے ہی مسئلے ایسے ہیں جن میں نص شرعی موجود نہیں، لیکن وہ لوگوں میں معروف ہیں، فقہاء کرام نے ان کی بنا پر فتویٰ دیا ہے اور یکے بعد دیگرے انہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، پس قیام تعظیمی سے منع کرنے والا کس طرح کہتا ہے؟ کہ قیام کرنے والا بلاشبہ مستحق ملامت ہے اور یہ کہ قیام حرام ہے، فسق ہے اور مجوسیوں کے فعل سے مشابہ ہے (نعوذ باللہ من ذلک)

یہ بہت بڑا بہتان اور سینہ زوری ہے جو کسی عام مسلمان سے بھی متوقع نہیں، چہ جائیکہ کسی عالم سے ہو، موحد مسلمان جب ذکرِ ولادت سرورِ دو عالم ﷺ کے وقت کھڑا ہوتا ہے تو اس کا مقصد فقط اس منصب رسالت کی تعظیم ہوتا ہے جس پر جانیں قربان کر دینا بھی ہیچ ہے، تاکہ رسول کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی منائی جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، کیونکہ میلاد النبی ﷺ تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، یہ خوشی ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے تکرار پر سجدہ مسنون ہے (شکرانے کے نوافل پڑھے جائیں) سب سے زیادہ عزت والے رسول ﷺ کے ظہور سے بڑی نعمت کونسی ہے؟ حضور نبی کریم ﷺ کے چچا ابولہب کو جب

---

[1] عبدالوہاب شعرانی، علامہ: کشف الغمہ (بیروت) ۹۲/۲

[2] ابن عابدین شامی، علامہ: رسائل ابن عابدین (لاہور) ۴۴/۱

ولادتِ نبوی کی خوشخبری دی گئی تو اس نے اپنی لونڈی کو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بدلہ دیا کہ ہر پیر کی رات اس کا عذاب کم کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بدترین کافر تھا، اگر کافر کا یہ حال ہے تو رسول کریم ﷺ سے محبت رکھنے والے مسلمان کا کیا عالم ہوگا؟

مقصد تو ہر ممکن طریقے سے آقائے دو عالم ﷺ کی تعظیم کرنا ہے اور کھڑے ہونا بھی تعظیم کا ایک معروف طریقہ ہے، اور اس طرزِ تعظیم سے منع کرنے والے کے کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ تعظیمی قیام اس وقت تو ہونا چاہیے جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس جہانِ رنگ و بو میں قدم رنجہ فرمایا، کیونکہ یہ نعمت کائنات کی عظیم تر نعمت ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور جب بھی میلاد نامہ پڑھا جائے اس طرزِ تعظیم کا تکرار مجوسیوں وغیرہ کے طریقے سے مشابہت نہیں رکھتا ہے (یہ منکر کے کلام کا خلاصہ ہے)

ہم اس شخص کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ اس کی بات محض سینہ زوری ہے، اس لئے کہ جب کھڑے ہونے کا مقصد تعظیم رسول ﷺ ہے تو اس کی تکرار سے منع نہیں کیا جائے گا شریعت میں اس کی کئی مثالیں ہیں، ذکر ولادت خیر الانام ﷺ کے وقت قیام سے منع کرنے والے کی یہ بات درست نہیں کہ اس طرزِ تعظیم کی تکرار کی شریعت میں مثال نہیں ملتی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر ہو آپ پر درود بھیجنا واجب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے ائمہ نے فرمایا: اگر محفل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر ہزار بار ہو تو ہزار بار درود شریف پڑھا جائے گا کیونکہ اس کا سبب پایا گیا ہے اور وہ سبب نام نامی کا ذکر ہے، اصول فقہ کے علماء نے فرمایا ہے: حکم اپنے سبب کے تکرار کے ساتھ متکرر ہوتا ہے اور اسی طرح فضیلت والے دنوں اور راتوں کے احترام میں روزہ رکھنا اور شب بیداری کرنا ہے یہ تعظیم فضیلت والی راتوں اور دنوں کے بار بار آنے سے متکرر ہوگی۔

اسی طرح جب تعظیم نبوی کا سبب پایا جائے گا تو تعظیم نبوی ضروری ہوگی، اور اس کا سبب حضور ﷺ کی سیرت کا پڑھا جانا اور آپ ﷺ کے ان احوال عالیہ پر مطلع ہونا ہے جو ہر کمال کی بنیاد ہیں، اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان احوال مبارکہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے، اور جب بیان

کرنے والا رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت کے ذکر تک پہنچے تو اس عظیم نعمت کو یاد کر کے آقائے نامدار ﷺ کی تعظیم اور رب کریم جل جلالہ کا شکر ادا کرنے کی نیت سے کھڑا ہو جائے۔

کیا یہ ایسی بات ہے جس پر انسان کو ملامت کی جائے؟ اور یہ کہا جائے کہ وہ ان کافر مجوسیوں کی مشابہت اختیار کر رہا ہے جو اپنے معبود کی پیدائش کا ڈرامہ رچاتے ہیں؟ اور یہ کہا جائے کہ یہ طرز تعظیم اہل تشیع کے عمل سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی ہر سال سانحۂ کربلا سے مشابہت رکھنے والا عمل دہراتے ہیں، لیکن ذکر ولادت پر قیام کرنے، مجوسیوں اور شیعوں کے عمل میں قطعاً مشابہت نہیں، اس لئے کہ مجوسیوں کا عمل تو بالکل ہی غلط اور نا قابل قبول ہے کیونکہ وہ اپنے معبود کو حادث اور پیدا ہونے والا خیال کرتے ہیں اور یہ صراحۃً کفر ہے، اور جتنی دفعہ یہ لوگ اپنا ڈرامہ دہراتے ہیں اتنا ہی ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے، اور اسی طرح واقعۂ کربلا کا ڈرامہ رچانا کئی مفسدات اور حرام امور پر مشتمل ہوتا ہے جو سب کو معلوم ہیں، ذکر ولادت رسول کے وقت قیام سے منع کرنے والا توحید پرست مسلمانوں کے عمل کو مجوسیوں اور شیعہ کے عمل سے کس طرح تشبیہ دیتا ہے؟ حالانکہ وہ مسلمان ایک محترم جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، ماحول معطر و معنبر ہے اور وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں اور کائنات کی معزز ترین ہستی کے واقعات سیرت پورے آداب کے ساتھ پڑھ رہے ہیں اور باعثِ تخلیق کائنات کے ذکر شریف پر درود و سلام پڑھ رہے ہیں اور آپ ﷺ کی ولادت کا ذکر سن کر آپ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کی تشریف آوری کے تذکرے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اس طرز تعظیم سے منع کرنے والے کو مبالغہ آمیزی نے مہمیز دی تو اس نے اہل اسلام کے عمل کو مجوسیوں اور شیعوں کے عمل سے تشبیہ دے دی، اے اللہ تو پاک ہے اور یہ تشبیہ بہت بڑا بہتان ہے۔

شریعت میں اس تعظیمی قیام کی مثال آنحضرت ﷺ کی دنیاوی زندگی میں آپ کے سامنے آواز پست کرنا ہے اور آپ کی برزخی زندگی کے دوران حدیث شریف اور آپ کی سیرت مبارکہ سنتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا ہے اور اسی طرح آپ کو پکارتے ہوئے ایسا نام لینا جس سے تعظیم کا اظہار ہوتا ہو مثلاً کہا جائے یا رسول اللہ۔

ارشاد ربانی ہے:

يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون٥ إن الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى، لهم مغفره و أجر عظيم٥ (القرآن الکریم، ۴۹/۲،۳)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو، بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد گرامی ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول بينكم كدعاء بعضكم بعضا٥

القرآن الکریم، ۲۴/۶۳

رسول کو پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے اور آپ کا نام مبارک لے کر پکارنے کو حرام فرمایا، کیا یہ سب نبی اکرم ﷺ کی مزید تعظیم کے لئے نہیں؟

رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی ایک اور مثال وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں مروی ہے: کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو یوم عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ نے ان سے روزہ رکھنے کی حکمت پوچھی تو انہوں نے بتایا: یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی، اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا چنانچہ ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حضرت موسیٰ کا تمہاری نسبت زیادہ حقدار ہوں اور پھر آپ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا: یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔

یہ حدیث صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ ماضی میں حاصل ہونے والی نعمت پر اسی تاریخ میں نئے سرے سے اظہار شکر کرنا مطلوب ہے، بلکہ یہ اظہار شکر تو ہر اس وقت مطلوب ہے جب نعمت یاد آئے۔

میرے خیال میں سال بہ سال یاد منانے کی ایک اور مثال قربانی کے دنوں میں قربانی کا عمل ہے، جو صاحب استطاعت پر واجب ہے یہ قربانی حضرت اسمٰعیل علی نبینا وعلیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی نجات پر اظہار شکر ہے اور یہ اظہار شکر انہیں دنوں میں کیا جاتا ہے جس دن جنت سے ایک مینڈھے کی صورت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ نازل کیا گیا اور انہیں اپنے والد گرامی کے ہاتھوں ذبح ہونے سے نجات ملی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے خلیل کا امتحان لینے کے لئے حکم فرمایا تھا کہ اپنا نور نظر لخت جگر اپنے ہاتھوں سے رب کریم کی رضا کے لئے ذبح کریں، اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے پوری کوشش کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عظیم فدیہ نازل فرمادیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا اور ذبح ہونے سے محفوظ رکھا، انہیں عربوں کا عموماً اور اپنے حبیب ﷺ کا جد امجد بنایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ جس دن اس نے اپنے حبیب اور نبی ﷺ کے جد امجد (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو نجات عطا فرمائی اس دن کو بڑی عید بنائیں، اس دن قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے گئے فدیہ سے مشابہت اختیار کریں اور اس طرح اظہار شکر کریں، یہ عمل ہر سال دہرایا جاتا ہے، اس تناظر میں اللہ تعالیٰ کے حبیب اعظم (سرکار دو عالم ﷺ) کے رحمۃ للعالمین بن کر دنیا میں تشریف آوری کے دن کو بڑی عید بنانا زیادہ درست اور حق کے قریب ہے۔

قارئین کرام! تعظیم رسول کی ان مثالوں کو انصاف کی نظر سے دیکھیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہیں جن سے انبیاء کی تعظیم مقصود ہے، کیا ذکر ولادت مصطفیٰ ﷺ سن کر کھڑے ہونا بھی تعظیم میں ان جیسا نہیں ہے؟ اور کیا یہ عمل بھی ایسا نہیں جس کا حکم دیا گیا ہو اور

(۱) (ا) صحیح مسلم: کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء، ۱/۳۵۹
(ب) صحیح البخاری: کتاب الصیام باب صیام یوم عاشوراء، ۱/۲۶۸

ناپسندیدہ بدعت نہ ہو؟ ہم اس عمل کو اس تعظیم کے افراد میں سے ایک فرد قرار دیتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس تناظر میں ہمارا عمل قیاس کے ذیل میں نہیں آئے گا، بلکہ دلالۃ النص سے ثابت ہوگا۔

جس طرح اصول فقہ کے علماء نے: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ (القرآن الکریم، ۱۷/۳۴) ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، جیسی آیت ان کے بارے میں لکھا ہے، قرآن پاک کا حکم صراحۃً یتیم کا مال کھانے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے لیکن اہل زبان نے آیت کریمہ سے مطلقاً یتیم کا مال استعمال کرنے کی حرمت کا معنی اخذ کیا ہے، اب آیت کریمہ درج ذیل امور کی حرمت پر مشتمل ہوگی یتیم کا پانی پینا، اس کے کپڑے پہننا، اور اس کے گھر میں رہنا وغیرہ۔

اور اس کی مثال ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (القرآن الکریم، ۱۷/۲۳) ترجمہ: تو والدین سے ہوں نہ کہنا، اس آیت سے مطلق اذیت مراد ہے اب جو کچھ اذیت کے ضمن میں ہے اس آیت کریمہ کے تحت داخل ہوگا، اسی طرح مارنا اور گالی دینا بدرجہ اولی اس حکم میں داخل ہوگا۔

اسی طرح ہمارا قیام ہے، خصوصاً ہمارے زمانے میں یہ عمل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ کے ضمن میں آتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے، ایسی نصوص قرآن وحدیث میں بہت ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کے چند ارشادات یہ ہیں:

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا" (القرآن الکریم، ۳۳/۴۵)

اے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

"لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (القرآن الکریم، ۴۸/۹)

تا کہ اے لوگو تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

"لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" (القرآن الکریم، ۳/۸۱)

تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر حضور ﷺ کی تعظیم فرض کی ہے اور اس تعظیم کو آپ ﷺ پر ایمان

لانے کی مثل قرار دیا ہے، قرآن کریم میں کتنی ہی آیتیں ہیں جو آقائے دو عالم ﷺ کی تعظیم پر دلالت کرتی ہیں، اور جو شخص جاننا چاہتا ہے کہ ہر مکلف پر آنحضرت ﷺ کی تعظیم فرض اور واجب ہونے کے دلائل کیا ہیں تو وہ درج ذیل سیرت کی کتابیں پڑھے، حضرت قاضی عیاض کی کتاب "الشفاء" اور امام قسطلانی کی کتاب "المواهب اللدنية" اور ابن قیم کی کتاب "زاد المعاد" اس شخص کو اپنی پیاس بجھانے کے لئے مطلوبہ معلومات مل جائیں گی۔ اس طرح ہمارا قیام کرنا بدعت نہیں ہوگا، بلکہ دلالۃ النص کے ساتھ ثابت ہوگا، اور جو شخص اس عمل کا انکار کرتا ہے اور اسے حرام جانتا ہے وہ گمراہ ہے اور بدعتی ہے، اور اگر سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ کافر اور مرتد ہوگا جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، مفتی الثقلین علامہ، امام ابو مسعود نے فتوی دیا ہے کہ جب لوگ تعظیم نبی ﷺ کے لئے کھڑے ہوں تو ایسے میں جو توہین رسالت کی نسبت سے یا اس عمل کو ناپسند کرتے ہوئے بیٹھا رہے گا وہ کافر ہو جائے گا، علامہ سمنودی نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جب سارے لوگ کھڑے ہوں اور کوئی شخص بیٹھا رہے تو ممکن ہے کہ اس طرح عوام میں فتنہ سر اٹھالے، اور لوگ ایسے شخص کو وہابی مذہب کی طرف منسوب کریں جو اہل توحید کو کافر قرار دینے میں غلو کی ساری حدیں تجاوز کر چکے ہیں، کیونکہ یہ لوگ انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنے، ان کی زیارت اور ان سے برکت حاصل کرنے، اور ان کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی التجائیں پیش کرنے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں، روزانہ بار بار کلمۂ توحید پڑھنے والے موحد مسلمانوں کو کافر قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ یہ موحد مسلمان تو کلمۂ توحید ہر گھڑی اور ہر لحہ پڑھتے ہیں، جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی التجا کرتے ہیں تو کہتے ہیں: اے اللہ اپنے احباب کی وجاہت کے صدقے ہماری حاجت پوری فرما، اور جو شخص ایسے لوگوں کو کافر کہتا ہے وہ خود کفر کے زیادہ قریب ہے، اگر ہم کسی مومن کو یہ کہتے ہوئے سنیں: "یا رسول اللہ ﷺ میری ضرورت پوری فرمادیں" یا اسے یوں کہتے ہوئے سنیں: "یا شیخ عبدالقادر جیلانی میں آپ سے فلاں چیز مانگتا ہوں" تو ہم اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیں گے، بلکہ اسے کہیں گے کہ وہ اپنے الفاظ کے ظاہر پر اپنے عقیدہ کی بنیاد نہ رکھے (یعنی یہ عقیدہ نہ رکھے کہ سیدنا غوث

اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاجت پوری کرنے میں خود مختار ہیں، بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ آپ وسیلہ ہیں اور حاجت پوری کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ۱۲، سعیدی) اور ہم اس کے کلام کو اسناد مجازی پر محمول کریں گے اور یہی مجاز عقلی ہے جیسے کہ علماء معانی نے بیان فرمایا ہے اور مجاز عقلی قرآن کریم میں بہت ہے، ارشاد ربانی ہے: "يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا" (القرآن الکریم، ۴۰/۳۶) (اے ہامان میرے لئے ایک محل تعمیر کر) اس لئے کہ تعمیر تو مزدوروں کا عمل ہے جبکہ ہامان تو ایسا سبب ہے جس نے تعمیر کا حکم صادر کرنا ہے، ہم اگر کسی عام آدمی سے کہیں: تم بندے سے یہ سوال کیسے کرتے ہو کہ وہ تمہاری حاجت پوری کرے؟ تو وہ کہے گا: کہ میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے اور اپنے ہاں اس کی وجاہت کے سبب میری مراد پوری کرے، جب ہمیں ایسا قرینہ مل جائے کہ کلام کرنے والا موحد ہے، تو ہم اس کے کلام کو جس کا ظاہری معنی افعال کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا ہے مجاز پر محمول کریں گے جیسے کہ کسی شاعر کا قول ہے:

أَشَابَ الصَّغِيْرَ وَأَفْنَى الْكَبِيْر   كَرُّ الْغَدَاةِ وَمَرُّ الْعَشِيّ

گردش صبح و شام نے بچے کو جوان اور بوڑھے کو فنا کر دیا

اسے ہم نے مجاز پر محمول کیا، کیونکہ اس کا اپنا ہی شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے

فَمِلَّتُنَا اَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ   عَلٰى دِيْنِ صِدِّيْقِنَا وَالنَّبِيّ

ہماری ملت یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں، اپنے صدیق اور نبی ﷺ کے دین پر ہیں۔

دوسرا شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کہنے والا موحد ہے، اور اسی طرح وہ عام آدمی جو ہمیشہ کلمۂ توحید پڑھتا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس کے کلام کا مجازی معنی مراد لیں جس کا ظاہر غیر مقصود ہے۔

اب ہم اس مسئلے کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر ہم گفتگو کر رہے تھے، وہ یہ ہے کہ ذکر ولادت خیر الانام ﷺ کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے، خصوصاً اہل علم کے لئے، کیونکہ جب عام لوگ ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہوتے ہیں تو اہل علم ان لحات میں کھڑے ہونے کے زیادہ حقدار ہیں تاکہ عام لوگوں کو بتائیں کہ دل و جان سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم مطلوب ہے اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے اس کی تاکید کی گئی ہے۔

ایک مرتبہ میں کسی محفل میں تھا، اس محفل میں میرا ایک ایسا جاننے والا بھی تھا جو ذکر ولادت مبارکہ کے وقت کھڑے ہونے کو درست نہیں سمجھتا تھا، میں نے اس سے کہا: کیا اس کھڑے ہونے میں سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم نہیں ہے؟ تو اس نے کہا: تعظیم تو دل سے اور حضور ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہوتی ہے، اس عمل سے نہیں جو بدعت ہے، میں نے کہا: کوئی بات نہیں، یہ عمل تو دل سے تعظیم بجالانے کی علامت ہے اور تعظیم پر دلالت بھی کرتا ہے، شریعت مبارکہ کا معاملہ ظاہری ہے، حتی کہ شریعت نے تو یہ حکم دیا ہے کہ جو بھی توحید و رسالت کی گواہی زبان سے دے، وہ مسلمان ہے اگرچہ ہم نے اس کے دل میں نہیں جھانکا، ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ دل میں کیا ہے جب تک ظاہر دل کی کیفیت پر دلالت نہ کرے؟ ہمارا ایک دوسرے کے لئے تعظیماً کھڑے ہونا، ہاتھ اور زبان سے تعظیم بجالانا، تعظیم وتکریم کے ایسے ذرائع بن چکے جن سے ہماری طبیعتیں بھی مانوس ہو چکی ہیں۔

اہل علم نے عرفی حمد کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وہ فعل ہے جو منعم کی تعظیم کا احساس دلائے، خواہ یہ تعظیم زبان سے ہو یا اعضاء سے یا دل سے، کسی شاعر (متنبی) نے کہا ہے:

أَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّي ثَلَاثَةً ... يَدِي وَلِسَانِي وَالضَّمِيرَ الْمُحَجَّبَا

تمہیں تمہارے انعامات نے میری طرف سے تین فائدے پہنچائے ہیں، میرے ہاتھ، زبان اور میرا چھپا ہوا دل۔

میری رائے ہے کہ آقائے کریم ﷺ کی ولادت کے وقت کھڑے ہونا بدعت نہیں بلکہ رحمت عالم ﷺ کی ذات مبارکہ کے لئے احتراماً کھڑے ہونے کے مساوی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت حسان کا بھلا کرے جن کے پاس سے سرکار دو عالم ﷺ کا گزر ہوا تو وہ اپنے پیارے آقا کے لئے احتراماً کھڑے ہوگئے اور یہ شعر کہے:

قِيَامِي لِلْعَزِيزِ عَلَيَّ فَرْضٌ ... وَتَرْكُ الْفَرْضِ مَا هُوَ مُسْتَقِيمٌ

(اس من موہنی شخصیت کے لئے اٹھنا مجھ پر فرض ہے، اور فرض کو چھوڑنا درست نہیں)

عَجِبْتُ لِمَنْ لَهُ عَقْلٌ وَفَهْمٌ ... يَرَى هٰذَا الْجَمَالَ وَلَا يَقُوْمُ

(مجھے اس عقل وفہم رکھنے والے پر تعجب ہے جو اس سراپا جمال کو دیکھتا ہے اور کھڑا نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں "قِيَامِي لِلْعَزِيزِ" کی بجائے "قِيَامِي لِلنَّبِيِّ" بھی آیا ہے۔

اے قیام تعظیم کے منکر! میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: اگر تو کسی محفل میں آئے اور تیرے لئے اکثر لوگ تو احتراماً کھڑے ہو جائیں لیکن بعض بیٹھے رہیں، کیا تیرے اور دوسرے لوگوں کے دل میں یہ بات نہیں کھٹکے گی کہ تیرے لئے کھڑے ہونے اور تعظیم کرنے والے کے برعکس جو شخص کھڑا نہیں ہوا اس نے تمہاری توہین کی ہے؟

تو کتنا سیدھا اور جاہل ہے؟ خدا کی قسم جس نے قیام تعظیمی کا انکار کیا اور اسے حرام قرار دیا اور اس کے بجالانے والے کو مجوسیوں اور شیعہ سے تشبیہ دی اور مزید یہ کہا کہ یہ ان سے بھی زیادہ ہے اور یہ احمقوں کا کام ہے۔" مجھے اس کے کفر وارتداد کا خوف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے احترام اور آپ کی ولادت کی خوشی میں کھڑے ہونا نہ صرف مستحب ہے بلکہ انتہائی مستحسن ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں، مسلمانوں نے اسے پسندیدہ اور مستحسن قرار دیا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے:

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ [1]

جس عمل کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے۔

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے:

يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ [2]

(اللہ تعالیٰ کی رحمت جماعت پر ہے، جو شخص جماعت سے الگ ہوا لقمہ جہنم بن گیا)

اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جو نجات پانے والے مسلمانوں کا راستہ اپنانے کی ترغیب دیتی ہیں۔

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ، (دار الفکر، بیروت) ۷۸/۳

[2] المستدرک کتاب العلم- (من شذ شذ فی النار) ۱۱۶/۱

قیام تعظیمی کے اس منکر کے انکار، قیام کو حرام قرار دینے، اور قیام کرنے والے پر فسق کا حکم لگانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ تو شیطانی وسوسہ ہے جو اس کے دل پر چھا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس شخص اور اس منکر جیسے دوسرے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے جو حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ و مقام گھٹانے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں اور اہل اسلام کو فاسق و کافر ٹھہراتے ہیں، ان لوگوں کا وجود مسلمانوں کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے، کیونکہ یہ لوگ دعویٰ تو رشد و ہدایت کا کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے عقیدہ میں بہت بڑا فساد پھیلاتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یا تو ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے، اور یا ان کو دنیا بھر سے مٹا دے، اور اہل سنت و جماعت کا بول بالا کرے جو لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور وصال کے بعد تعظیم پر ابھارتے ہیں اور آپ ﷺ کے صحابہ اور ان ائمہ دین (مجتہدین) کی تعظیم کا درس دیتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی شریعت کی خدمت اور تدوین کی جس پر لوگ قیامت تک عمل پیرا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ترجمہ کو اپنے اس بندۂ عاصی کے لئے ایمان پر خاتمے کا سبب اور ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین)

ممتاز احمد سدیدی

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ بمطابق ۳۱ مئی ۲۰۰۰ء کو اس مبارک کتاب کے ترجمہ سے فراغت ہوئی۔

اِستحبابُ القِیام

عِندَ ذِکرِ وِلادَتِهِ عَلَیهِ الصَّلاةُ وَالسَّلام

لِلشَّیخ محمود العطّار الدِّمشقي

المولود سنة ۱۲۸۴ والمتوفی سنة ۱۳۶۲

رحمه الله تعالی

الطبعة الأولى
١٤١٩هـ - ١٩٩٨م

ترجمة المؤلف

هو الإمام العالم العامل، العابد الناسك، الفقيه الحنفي الأصولي، المحدِّث، الشيخ محمود بن محمد رشيد، العطار الدمشقي الحنفي(١).

ولد في دمشق سنة ١٢٨٤ هـ، وحفظ القرآن الكريم على والده، ثم أخذ عن علماء أجلاء؛ فقرأ أولاً على الشيخ محمد الحطابي النابلسي، ودرس على الشيخ سليم العطار، والشيخ بكري العطار، والشيخ محمد العطار علوم الحديث والتفسير والآلات، كما قرأ على الشيخ محمد الخاني.

---

(١) هذه الترجمة مقتبسة من كتاب «تاريخ علماء دمشق في القرن الرابع عشر الهجري» ٢: ٥٩٦ ـ ٥٩٨. بتصرف وزيادة يسيرة.

وتلقى عن الشيخ عبد الحكيم الأفغاني الفقه والأصول والتوحيد والتفسير والحديث، جاء إليه أول الأمر فلم يقبله لصغر سنه، ثم لما ألحَّ عليه وافق بشرط أن يحضر معه شيخ ذو لحية ـ ولم تكن نبتت لحية المترجَم ـ فرضي ولازم على هذه الحال حتى نبتت لحيته، وكان يأمره أن يجلس بعيداً عن نظره، وبقي على ذلك ما يقارب سنة سأله بعدها: هل نبتت لحيته؟ فلما قال: نعم. أدناه إليه وقرَّبه، واستمر عنده ثلاثين عاماً، وكان من أخصّ تلامذته.

ولازم المحدِّث الشيخ بدر الدين الحسني في دار الحديث الأشرفية مدة تزيد على أربعين سنة؛ قرأ خلالها عليه في الحديث وأصوله والبلاغة والنحو والمنطق، وهو من أجلّ وأعلم تلاميذ الشيخ بدر الدين الحسني رحمهما الله تعالى.

له إجازات وقراءات على أجلّ علماء مصر، كالشيخ عبد الرحمن البحراوي، والشيخ سليم البشري شيخ الأزهر، والشيخ أحمد أبو خطوة،

والشيخ محمد بخيت المطيعي مفتي مصر، والشيخ محمد الأشموني. وله إجازات أيضاً من علماء مكة المكرمة، والمدينة المنوَّرة، ومن علماء الهند.

عُرِفَ المترجَم بغزارةِ علمه، ودأبهِ الشديد، والصبر على المكارهِ في سبيل نشر العلوم.

أقام مدة بدار الحديث يُدرِّس، وكانت له غرفة خاصّة بجوار غرفة شيخه المحدث الشيخ بدر الدين.

ثم عيِّن مفتياً في الطفيلة من أعمال الكرك بالأردن، ثم مدرساً بمدرسة الفلاح بجدة، ثم مدرساً في بومباي بالهند مع زميله الشيخ أمين سويد، ثم مدرساً بالثانوية الشرعية بدمشق.

وعُيِّن مدرساً في الجامع الأموي، وكان يجلس بعد الظهر كل يوم بجوار المنبر ساعة أو أكثر ليجيب عن أسئلة المستفتين.

وقد حضر درسه مرة أحد المتنفذين من الأتراك بجدّة فكتب إلى السلطان يشهد بعلمه؛ فأرسل له (براءة سلطانية).

كانت له دروس في بلدة كفرسوسية[١]؛ فكان يأتيه إليها خاصّة طلابه مشياً على الأقدام من دمشق وقراها.

وأقام في بلدة القَدَم جنوبي دمشق مدة طويلة، وتزوَّج من أهل القدم وزوَّج إليهم، وله منهم أسباط.

وكان له مجلس فيها للإقراء سمي بمجلس الخميس؛ ربّى فيه تلامذة وطلاب علم.

ومجلس الخميس هذا يبدأ في حوالي الساعة التاسعة يحضره سادة البلدة وعلماؤها يفتتح بتلاوة من القرآن الكريم، ثم تقرأ أحاديث الرسول ﷺ من البخاري ومسلم، ويناقش سند الحديث وشرحه وخاصة في شرح القسطلاني والنووي، ويختم المجلس بتلاوة سورة ياسين قراءة جماعية.

---

(١) هذا يوم كانت بلدة كفر سوسة منقطعة عن دمشق تبعد عنها أكثر من سبعة كيلومترات، وأما اليوم فقد صارت حياً من أحياء المدينة.

وظلَّ المترجَم يدرِّس طوالَ حياته حتى في حال مرضه، لم ينقطع عن الدروس إلا قبيل وفاته بأسبوع واحد.

وتلقى عنه تلاميذ نبهوا وصاروا علماء دمشق المشهورين، منهم: الشيخ أبو الخير الميداني، والشيخ إبراهيم الغلاييني، والشيخ عبد الوهاب دبس وزيت، والشيخ محمد سعيد البرهاني، والشيخ تاج الدين الحسني؛ الذي درس عليه مدة طويلة منذ حداثة سنّه إلى أن أصبح مدرساً في كلية الحقوق، والشيخ حسن حبنكة الميداني رحمهم الله، وأجاز فضيلة العلامة المحدث الشيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى.

ومن تلاميذه في بلدة القدم: عبد القادر بركة، وعبد الجواد خضير، وحسن زكريا، ومحمد علي حامدة.

لم تعرف له مؤلفات إلا ترجمته لشيخه المحدث الشيخ بدر الدين الحسني[1]، وهذه الرسالة التي بين يدي القارىء. وقد أشرف على طبع كتاب شرح الكنز «كشاف الحقائق شرح كنز الدقائق» للشيخ عبد الحكيم الأفغاني في حياته. وكان ذا خبرة بالكتاب وخاصة المخطوطات الأثرية.

توفي في ٢٠ شوال ١٣٦٢ هـ، عن ثمانية وسبعين عاماً، أمضاها في العلم والتعليم رحمه الله تعالى وأثابه رضاه.

ودُفِنَ في مقبرة الباب الصغير بموكب حافل، ورُثي بكلمات بليغة أجملها ما قاله الأستاذ أحمد مظهر العظمة، وكذا ما قاله الشيخ محمد بهجة البيطار الذي جاء في كلمته: «رحمك الله أيها الشيخ المحمود، ما من عالم بدمشق إلا أخذ عنك، أو أخذ عمَّن أخذ عنك».

---

(١) مخطوطة محفوظة في المكتبة الظاهرية.

استحباب القيام عند ذكر ولادته عليه الصلاة والسلام

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف خلقه أجمعين، وبعد:

فقد اطلعت على سؤالٍ ورد من المدينة المنوَّرة بإمضاء السيد أحمد عَلَي الهندي الرامضوري وهذا نصه:

بسم الله الرحمن الرحيم

ما قولُ علماء المسلمين أيَّد الله بهم الدين وقوّاهم عَلَى إزاحة شُبَه الملحدين في قول رجل سُئِل عن القيام عند ذكر الولادة الشريفة النبوية فأجاب (وهذا نص كلامه):

وأما توجيه القيام بقدوم روحه الشريفة ﷺ من عالم الأرواح إلى عالم الشهادة فيقومون تعظيماً له فهذا أيضاً من حماقاتهم، لأنَّ هذا الوجه يقتضي القيام عند تحقق نفس الولادة الشريفة، ومتى تتكرر الولادة في هذه الأيام فهذه الإعادة للولادة الشريفة مماثلة بفعل مجوس الهند، حيث يأتون بعين حكاية ولادة معبودهم (كنهيا) أو مماثلة للروافض الذين ينقلون شهادة أهل البيت رضي الله عنهم كل سنة (أي فعله وعمله) فمعاذ الله. فصار هذا حكاية

للولادة المنيفة الحقيقية، وهذه الحركة بلا شك وشبهة حَرِيَّة باللوم والحرمة والفسق، بل فعلهم هذا يزيد عَلَى فعل أولئك فإنهم يفعلونه في كل عام مرة واحدة، وهؤلاء يفعلون هذه المزخرفات الفرضية متى شاؤوا، وليس لهذا نظير في الشرع بأن يفرض أمر ويعامل معه معاملة الحقيقة، بل هو محرم شرعاً. انتهى كلامه.

فهل هذا الجواب صحيح أم لا؟ أفيدونا مأجورين.

وأقول جواباً عن ذلك مستعيناً بالله:

إنَّ هذا الجواب غير صحيح من وجوه، وبسط الكلام في هذا المقام يحتاج لبيان حكم القيام لأهل الشرف إكراماً وتعظيماً لهم، ومنه يُعلم استحباب القيام عند ذكر مولده الشريف ﷺ بالأولى، إذ الفرض أنه إنما يفعل إكراماً وتعظيماً ومحبة لأشرف الرسل ﷺ فنقول:

القيام للعلماء تعظيماً للعلم مسنون، دليله ما رواه أبو داود في سننه عن أبي سعيد الخدري بإسناد صحيح أنَّ النبي ﷺ قال: «قوموا إلى سيدكم» يعني سعد بن معاذ القادم عليكم لما له من الشرف المقتضي للتعظيم.

قال الإمام النووي: يستحب القيام للقادم من أهل الفضل وقد جاءت به أحاديث، ولم يصح في النهي عنه شيء صريح اهـ.

وقال شرّاح الجامع الصغير: يؤخذ من الحديث أي المتقدم سنُّ القيام لنحو العلماء تعظيماً للعلم لا عجباً ورياء، أما القيام للأمراء فيطلب للمداراة وقد ثَبَت أنه ﷺ قام لبعض الصحابة كعكرمة وعدي رضي الله عنهما وأقرَّ حسان بن ثابت عندما قام له، وحَملُ الحديث عَلَى أَنَّ الأمر بالقيام لسعد كان للتعظيم أولى من حمله عَلَى القيام لأجل تنزيله عن الدابة لمرض به اهـ. لأنه لو كان كذلك لأمر البعض لا الكل.

ولا ينافي استحباب القيام ما رواه الإمام أحمد وغيره عن معاوية بإسناد صحيح أنَّ النبي ﷺ قال: «من أحبَّ أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار» لقول شُرَّاح الحديث كالإمام الطبري وغيره: هذا الخبر إنما فيه نهي من يقام له إذا أحبه تكبراً لا من يقام له إكراماً ورجَّحه الإمام النووي قائلاً: الأصح والأولى بل الذي لا حاجة إلى ما سواه أنَّ معناه زجر المكلف أن يحب القيام له فهو المنهي عنه، فلو لم يخطر بباله فقاموا له فلا لوم عليه اهـ.

وأما ما رويَ أنَّ الصحابة كانوا إذا دخل عليهم رسول الله ﷺ لا يقومون له لما يرون من كراهته له فهو من تواضعه وشفقته ﷺ بأمته زاده الله شرفاً إذ هو سيد المتواضعين، حتى إنه كان يعفو عمن انتقصه كما هو معلوم من سيرته لا أنَّ القيام منهيٌّ عنه وإلا لما أمر به وفعله لغيره.

وكذا ما ورد عنه عليه السلام: «لا تقوموا كما تقوم الأعاجم يعظِّم بعضهم بعضاً» فهو محمول

عَلَى محبة القيام تعاظماً وتكبراً بدليل كما تقوم الأعاجم.

فإذا ثبت أنَّ القيامَ مطلوب للتعظيم والإكرام لأهل الشرف، فكيف يمنع منه عند ذكر مولده ﷺ تعظيماً له، بل إنه أولى وأحق من القيام لأحد أمته، وقد نصَّ غير واحد من فقهاء الأئمة الأربعة ومن المحدثين وأهل السير على استحبابه.

فالذي ينبغي أن يعوَّل عليه ولا يُلتفتَ لغيره استحبابه وتأكّده لعموم المسلمين، ولا يُغترَّ بقول ابن حجر الهيتمي في فتواه من أنَّ الناس إنما يفعلونه تعظيماً، فالعوام معذورون بخلاف الخواص اهـ.

فهذا هفوة منه، بل الخواص أحقُّ بتعظيمه ﷺ، وقد فعله العالم الشهير تقيُّ الدين السبكي وغيره ممن لا يحصى، واستمر عليه العمل إلى يومنا هذا، ويستمر إن شاء الله إلى يوم القيامة، ولا ينكره ويحرمه إلا مبتدع غال.

فإن تخيَّل له أنه بدعة مذمومة فنقول: نعم هو بدعة ولكنها حسنة، وليست كل بدعة مذمومة، بل البدعة تعتريها الأحكام الخمسة كما هو معلوم، فكم من بدعة هي فرض أو واجب كتدوين العلوم الدينية ورد الشبه على الفرق الضلالية الذين هذا المانعُ منهم.

فليت شعري ماذا يقول هذا المانع في قيام بعضنا لبعض؟ وفي القيام عند ذكر مولده الشريف، هل فيه تعظيم أم لا؟ فإنْ منعَ التعظيمَ فهو مكابرٌ معاندٌ للحس والمشاهدة، فلا يَليق أن يخاطب.

وإن سلَّم أنه يفيد التعظيم، وعدَّ تعظيمه ﷺ حماقة فيكون تنقيصاً وإهانة لجنابه الشريف ﷺ، ومن أهانه يُحكم بكفره وردته وهدر دمه، لأنَّ الفقهاء قاطبة ذكروا في باب الردة أن منها الاستهزاء بالعلم أو العلماء وإهانتهم، فإذا كان إهانة أحد علماء أمته عليه السلام موجباً للكفر والردة فكيف بأفضل المخلوقات عليه أفضل الصلوات والتسليمات.

قال مُلاّ خسرو في شرح «الدرر» نقلاً عن فتاوى «البزازية»: أن من انتقصه عليه السلام أو شتمه، ولو في حال سكره يُقتل حداً، وهو مذهب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، والإمام الأعظم أبي حنيفة والثوري وأهل الكوفة، والمشهور من مذهب مالك وأصحابه.

قال الخطابي: لا أعلم أحداً من المسلمين اختلف في وجوب قتله. وقال ابن سحنون المالكي: أجمع العلماء عَلَى أنَّ شاتمه ﷺ كافر وحكمه القتل إلى آخر ما قال.

قال في «الدر المختار»: ويجب إلحاق الاستهزاء والاستخفاف به (أي الشتم).

ونقل الإمام الشعراني في كتابه «كشف الغمة عن هذه الأمة» في كتاب الردة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان أعمى له امرأة تشتم النبي ﷺ وتقع فيه فينهاها فلا تنتهي، ويزجرها فلا تنزجر، فلما كانت ذات ليلة جعلت تقع في النبيّ عليه الصلاة والسلام فأخَذَ المعول فوضعه في بطنها

واتكأ عليه فقتلها، فلما أصبح ذكر ذلك للنبي ﷺ، فجمع الناس فقال: انشد الله رجلاً فعل ما فعل إلا قام، فقام الأعمى يتخطّى الناس، حتى قَعَد بين يديه ﷺ فقال: يا رسول الله أنا صاحبها كانت تشتمك وتقع فيك فأنهاها فلا تنتهي ولي منها ابنان مثل اللؤلؤتين، وكانت بي رفيقة، فلما كان البارحة جعلت تقع فيك، فأخذت المعول فوضعته في بطنها واتكأت عليها حتى قتلتها، فقال عليه السلام: «ألا اشهدوا أنَّ دمها هدر».

ومعلوم أنَّ عدم القيام لأحد كبراء الناس يُشعر بإهانته وعدم المبالاة به، ولذا يورثُ الحقدَ والضغائن كما هو العُرف الآن، والعُرف أحد مدارات الشرع الشريف تبنى عليه الأحكام.

قال العلامة ابن عابدين في رسالته «آداب المفتي»:

والعُرف في الشرع له اعتبار

لذا عليه الحكم قد يُدار

فكم من مسئلة لا نصَّ فيها، وقد تعارف الناس عليها، وحَكَم الفقهاء بها وتداولوها في كتبهم، فكيف يقول المانع: إن فاعل القيام بلا شك حريٌّ باللوم والحرمة والفسق وهو شبيه بفعل المجوس.. إلخ.

فهذا افتراءٌ وتهورٌ عظيم لا يصدر مثله من مسلم، فضلاً عن عالم، فالمسلم الموحِّد إذا قام عند ذكر مولده الشريف لا يريد إلا التعظيم والاحترام لمنصب الرسالة الذي بَذْلُ الأرواح دونه قليل فرحاً بإيجاد هذا الرسول الذي هو رحمة للعالمين لما فيه من عظم مِنَّة الله عَلَى خلقه أجمعين، كما سُنَّ السجود لله تعالى شكراً عند تجدد نعمة، وأيُّ نعمة أعظم من نعمة ظهور أشرف الرسل، حتى إن عمه أبا لهب لما بُشِّر بولادته ﷺ أعتق جاريته فرحاً به عليه الصلاة والسلام فجازاه الله بسبب ذلك بأنْ خفَّف عنه العذاب في كل ليلة اثنين مع أنه كافر معاند، فكيف حال المسلم المحب؟

والمقصود التعظيم بكل ما يفيده، ومنه القيام كما هو العرف العام، وربما يشعر كلام المانع بأنَّ هذا القيام إذا طلب يطلب للساعة التي برز فيها عليه الصلاة والسلام من بطن أمه إذ هو أعظم نعمة كما تقدم.

وأما تكرار ذلك كلما قُرِئَ المولد فلا يشبه فعل المجوس إلخ.

فنقول له: هذا تحكُّم بحت لأنه متى كان القصد بالقيام التعظيم فلا يمنع من تكرره، وله نظائر في الشرع كثيرة لا كما قال المانع لا نظير له، فمن نظيره وجوب الصلاة عليه ﷺ كلما ذُكر، حتى قال كثير من الأئمة: لو ذكر في المجلس الواحد ألف مرة يُصلَّى عليه ألف مرة لوجود سببه، وهو ذكر اسمه الشريف كما ذكر علماء الأصول: من أنَّ الأمر يتكرر بتكرر سببه، وكذا تعظيم الأيام الفاضلة والليالي بصومها وإحيائها يتكرر كلما تكررت.

كذلك هنا لما وجد السبب وهو قراءة سيرته عليه الصلاة والسلام الشريفة والاطلاع عَلى أحواله المنيفة

التي هي مناط كل كمال، وعَلَى المؤمن أن يجعلها نصب عينيه في كل حال، فحينما يصل القارىء إلى ذكر بروزه ﷺ من بطن أمه يتذكّر هذه النعمة العظمى، فيقوم تعظيماً له وشكراً لله تعالى عليها.

فهل هذا يلام عليه المرء ويقال بأنه شبيه بفعل المجوس الكفرة الذين يحكون ولادة معبودهم، وفعل الرافضة الذين يمثلون ما فعل بأهل البيت كل سنة؟!! فإن ما يفعله المجوس منكر من أصله، يجعلون معبوداً حادثاً متولداً فهو كفر صراح، فكلما كرروا ذلك فقد زادوا ضلالاً على ضلال، وكذا تمثيل ما فُعِل بأهل البيت مشتملٌ عَلَى عدَّة مفاسد محرَّمات لا تخفى. فكيف يُشبِّهُ هذا المانع حالَ المسلمين الموحّدين الجالسين في محل معظَّم، فيه رائحة طيبة، يتلون كتابَ الله وينشرونَ قصة أشرف خلقه بكل آداب مطلوبة، ويصلّون عليه كما ذُكر، ويقومون لذكر ولادته تعظيماً له وفرحاً بوجوده بحال هؤلاء، حتى حمله الغلو فجعله أزيد من فعل المجوس والروافض سبحانك اللهم هذا بهتان عظيم.

ونظير هذا القيام تعظيماً له عليه الصلاة والسلام الأمر بغضِّ الصوتِ بحضرته عليه السلام في حياته، وعند قراءة حديثه وسيرته بعد وفاته، وكذا مناداته باسم يشعر بتعظيمه كيا رسول الله. قال تعالى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَرۡفَعُوٓاْ أَصۡوَٰتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ ٱلنَّبِيِّ وَلَا تَجۡهَرُواْ لَهُۥ بِٱلۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ أَن تَحۡبَطَ أَعۡمَٰلُكُمۡ وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ﴿٢﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصۡوَٰتَهُمۡ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمۡتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمۡ لِلتَّقۡوَىٰۚ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَأَجۡرٌ عَظِيمٌ ﴿٣﴾﴾.

وقال أيضاً: ﴿لَّا تَجۡعَلُواْ دُعَآءَ ٱلرَّسُولِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُم بَعۡضٗاۚ﴾.

فهل هذا النهي من الله تعالى وتحريم رفع الصوت على صوته الشريف وتحريم ندائه باسمه إلا لمزيد تعظيمه عليه السلام.

ونظيره أيضاً ما ورد في الصحيحين: أنه ﷺ لما قَدِمَ المدينةَ وجدَ اليهود يصومون يوم عاشوراء فسألهم عن حكمة ذلك. فقالوا: هذا يوم أغرق الله

فيه فرعون ونجّى موسى فصامه موسى فنحن نصومه. فقال ﷺ: أنا أحق بموسى منكم فصامه وأمر بصيامه: أي شكراً لله تعالى.

فهذا صريح في أن تجديد إظهار الشكر على النعمة السابقة في الوقت الموافق لوقت حدوثها مطلوب، بل هو مطلوب في كل وقت تذكر فيه.

ومن نظيره أيضاً كما يظهر لي عمل الأضحية في أيام النحر المأمور به أمر إيجاب أو ندب لمن قدر عليه إظهاراً للشكر بنجاة الذبيح عليه وعَلى نبينا أفضل الصلاة والتسليم في مثل هذا اليوم من ذبح أبيه له بإنزال الفداء وهو كبش من الجنة، فاختبر الله خليله بتكليفه ذبح مهجة قلبه، ثم فداه بعد ما سعى في رضاه بذبح عظيم بقصد التكريم إيثاراً لبقائه عن إمضاء قضائه، إذ جعله أباً للعرب عموماً ولحبيبه الأعظم خصوصاً.

وإذا كاَن الحقُّ أمرَ الخلقَ باتخاذ هذا اليوم الذي نجى فيه والد نبيه وحبيبه عيداً أكبر وأمرهم

فيه بالنحر مشاكلة للفداء الذي وقع منه تعالى لقصد إظهار الشكر، وفي كل عام يتكرر، فاتخاذ يوم ظهور جسم حبيبه الأعظم رحمة لعمومِ عامة العالم عيداً أكبر أحقُّ وأجدر.

فانظر بعين الانصاف إلى مجموع هذه النظائر المنصوص عليها، المقصود منها تعظيمه عليه الصلاة والسلام أليس هذا القيام مثلها في التعظيم فيكون مأموراً به ليس بدعة منكرة، عَلَى أن نجعله فرداً من أفراد التعظيم الذي كلفنا به عموماً، فحينئذٍ يدخل تحت الأمر فيكون من باب دلالة النص لا من باب القياس، كما حرره علماء الأصول في مثل قوله تعالى: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ ٱلْيَتِيمِ﴾ فالمنصوص عليه حرمة الأكل، وأهل اللغة فهموا من النص حرمة مطلق التناول من مال اليتيم، فيشمل النصُّ: الشربَ من مائه، ولبسَ ثوب من ثيابه، وسكنى داره وهكذا.

ومثله قوله تعالى: ﴿فَلَا تَقُل لَّهُمَآ أُفٍّ﴾ المراد مطلق الأذى، فكل فرد يدل عَلَى الأذى يدخل في النص، فيدخل الضرب والشتم بالأولى.

وهكذا هنا لما كان القيام خصوصاً في زمننا هذا من جملة التعظيم للنبيّ ﷺ دخل في النص الدال عَلى تعظيمه وهو كثير في القرآن والسنة فمنه قوله تعالى: ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴾ ﴿لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ وقـــال تعالى: ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥ﴾.

فقد فرض الله تعالى علينا تعظيمه، وجعله مثل الإيمان به، وكم في القرآن العظيم من آية دالة عَلَى تعظيمه عليه الصلاة والسلام، ومن أراد بسط الكلام على وجوب تعظيمه وفرضيته عَلى كل مكلف مبرهناً عليه بالأدلة القاطعة، فليرجع لكتب السير كـ«الشفا» للقاضي عياض، و«المواهب اللدنية» للإمام القسطلاني، و«زاد المعاد» لابن القيم وغيرها فيجد فيها ما يشفي الغليل، فحينئذ لا يكون هذا القيام بدعة، بل منصوصاً عليه بدلالة النص، فمن يدعي إنكاره وتحريمه فهو مبتدع ضال، وعند قصد الإهانة والتنقيص لمنصبه الشريف يكون كفراً وردة كما سلف، وقد أفتى العلامة مفتي الثقلين الإمام أبو

السعود بكفر من يتركه حين يقوم الناس إهانةً واستنكاراً كما نقله العلامة السمُنودي.

هذا وربما كان في ترك القيام إثارة فتنة عند عموم الناس، ونسبة من لا يقوم عند قيام الناس تعظيماً له ﷺ إلى مذهب الوهابية الذين تجاوزوا الحد في الغلوّ بتكفير أهل التوحيد، حيث يقولون بالتوسل بالأنبياء والأولياء وزيارتهم والتبرك بهم، وطلب الحاجات من الله تعالى بواسطتهم، فلا سبيل لتكفير المسلمين الموحدين الناطقين بالتوحيد كل يوم مرّات متعددة، بل كل ساعة ولحظة إذا سألوا الله تعالى حاجة وطلبوا منه تعالى بجاه أحبابه عنده قضاءها، بل من يكفّرهم إلى الكفر أقرب، حتى لو سمعنا المؤمن الموحد يقول: يا رسول الله اقضِ لي حاجتي، أو يا عبد القادر أطلب منك كذا لا نكفره، بل ننهاه عن اعتقاد ظاهره، ونحمل كلامه عَلى مجاز الإسناد، وهو المجاز العقلي كما بيَّنه علماء المعاني، وهو كثير في القرآن كقوله تعالى: ﴿يَٰهَٰمَٰنُ ٱبْنِ لِى صَرْحًا﴾

فإنَّ البناء فعل العَمَلة، وهامان سببٌ آمر حتى أننا لو قلنا للعامي: كيف تطلب مِن العبد قضاء حاجتك؟ فيقول: أنا مرادي أن الله يقضي حاجتي بسبب ذلك العبد وجاهه عنده تعالى، فمتى وجدنا قرينة دالة عَلَى أن المتكلم موحد نحمل كلامه الذي ظاهره إسناد الأفعال لغيره تعالى عَلَى المجاز.

كما حملوا قول الشاعر:

أشابَ الصغيرَ وأفنى الكبيـ

ـرَ كرُّ الغداةِ ومَرُّ العشيّ

عَلَى المجاز بدليل قوله بعد:

فملتُنا أننا مسلمو

نَ عَلى دينِ صدّيقنا والنبيّ

فإنه دلَّ عَلَى أنَّه موحِّد، وكذا العامي الذي ينطق بالتوحيد دائماً يلزمنا أن نحمل كلامه الذي لا يراد ظاهره عَلَى المجاز.

هذا ولنرجع لما نحن فيه من استحباب القيام عند ذكر مولده الشريف ﷺ خصوصاً لأهل العلم فهم أحقُّ بالقيام إذا قام الناس، ليعلِّموهم أن تعظيمَه ﷺ مطلوبٌ ومؤكّدٌ ظاهراً وباطناً.

وقد كنت مرةً في مجلس وكان فيه أحد المعاصرين، وكان ممن لا يرى القيام عند ذكر الولادة الشريفة. فقلت: أليس فيه تعظيمه ﷺ؟ فقال: إنَّ التعظيم بالقلب وباتباع سنته عليه الصلاة والسلام لا بهذا القيام الذي هو بدعة. فقلت: لا بأس به، بل هو عنوان على التعظيم بالقلب دالٌّ عليه، ومعاملة الشرع الشريف ظاهرية، حتى حَكَم عَلَى من أقرَّ بلسانه بشهادة أن لا إله إلا الله بالإسلام مع عدم اطّلاعنا على قلبه، ومن أين يُعلم ما في القلب إذا لم يدل الظاهر عليه؟ وقد صار ما ألفناه في نفوسنا من القيام لبعضنا بعضاً، وأعمال الجوارح من اليد واللسان من أسباب التعظيم والإكرام اهـ.

وقد قالوا في تعريف الحمد العرفي بأنه فعلٌ

يُشعر بتعظيم المنِعم سواءٌ كان ذلك الفعل باللسان أو بالأركان أو بالقلب.

كما قال بعضهم:

أفادتكم النعماء مني ثلاثة
يدي ولساني والضمير المحجبا

وقد عرفت أنه ليس ببدعة، بل هو مثل القيام لذاته الشريفة تعظيماً له ﷺ.

ولله درُّ الشاعر حسان حيث قام حين مرَّ عليه سيد الأكوان وقال:

قيامي للعزيز عليَّ فرضٌ
وتركُ الفرض ما هو مستقيم
عجبتُ لمن له عقل وفهم
يرى هذا الجمالَ ولا يقوم

ويروى قيامي للنبي إلخ بدل للعزيز.

نشدتك الله أيها المنكر للقيام: لو أقبلتَ عَلَى مجلس، وقام لك أكثر من فيه وتخلَّف البعض، أما

يقع في نفسك وفي نفس غيرك أنَّ الذي ما قام لك حَقَّرك، بخلاف من قام لك واحترمك فما أسمجك وأجهلك، فوالله إني لأخاف على منكر القيام ومحرِّمِه ومشبِّهِ فاعلَه بالمجوس والرافضةِ، قائلاً: بل هو أزيد منهم وهو فعل الحمقى إلخ ما قال، الكفرَ والردةَ.

فتلخَّص أنه يُندب القيام ويتأكد ويستحب عند ذكر ولادته الشريفة تعظيماً له ﷺ وإكراماً وفرحاً بإيجاده الذي هو أجلُّ نعمة عَلَى العالم، وقد استحسن ذلك المسلمون ورأوه حَسَناً، وقد ورد مرفوعاً إليه ﷺ: «ما رآه المسلمونَ حسناً فهو عند الله حسن» وورد أيضاً: «يد الله مع الجماعة ومن شذَّ شذَّ في النار» إلى غير ذلك من الأحاديث الدالة على اتباع سبيل المسلمين الناجين.

فلا عبرة بإنكار هذا المنكر وتحريمه القيام وتفسيقه فاعله، فما هو إلا نزغة شيطانية استولت على قلبه أعاذ الله المسلمين منه، ومن أمثاله الذين

يحطُونَ من منصبه عليه الصلاة والسلام، ويفسّقون ويكفِّرون أهل الإسلام، فوجود مثلهم أعظم بلية عَلَى المسلمين لأنهم يَدْعون الإرشاد ويبثُّون بين العباد أعظم الفساد من جهة الاعتقاد.

نسأله تعالى إما أن يوفقهم سبيل الرشاد أو يمحوهم من سائر البلاد، ويكثر من كل متّبع للسنة والجماعة، يحثُّ عَلَى وجوب تعظيمه ﷺ حياً وميتاً، وتعظيم أصحابه وأئمةِ الدين الذين خدموا شريعته ودوّنوها، وعملَ الناس بها إلى يوم القيامة.

الفهرس